Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پرنم الہٰ آبادی بطور غزل گو شاعر

*راؤ محمد عمر
**ڈاکٹر شائستہ حمید
***نمرہ حنیف

Abstract

Purnam illah-Abadi is a famous poet. His elegant and prominent poetic diction makes his poetry universal. Eternal Love, mysticism and classical poetic themes are the basic motif of his poetry. Puram's selection of words, rhythm and rhyme of his poetry depicts his consciousness and ability to understand the sense of poetry. A big portion of his poetry has been sung by famous Qawwals and appreciated at large.

Key words:

Poetry, Gahazal, mysticism, eternal Love, classical approach, Qawwali

پرنم الہٰ آبادی نابغۂ روزگار شاعر ہیں۔ بطور غزل گو، منقبت نگار اور نعت گو کے آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی غزل نگاری پر کلاسیکی شاعری کی گہری چھاپ دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام اور منقبت نگاری میں عشقِ حقیقی اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گہرا رنگ چڑھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری سوز و مستی، اسرارِ معرفتِ الٰہی اور وجدانی عشق جیسی خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ کا اصل نام محمد موسیٰ ہاشمی ہے اور آپ ۱۹۴۰ء میں الہٰ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دوسری جماعت تک ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی اور تقسیمِ ہند کے بعد باقی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔(۱) آپ کے والد کا نام حاجی محمد اسحاق تھا جو تقسیم کے بعد پاک فوج میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پرنم الہٰ آبادی ۱۹۷۷ء کو رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ آپ کی زوجہ مہر بی بی کراچی کے مقامی کالج میں لیکچرار تھیں۔ پرنم الہٰ آبادی کی اولاد میں ایک بیٹا علی پرنم اور ایک بیٹی شاعرین ہے۔ پرنم الہٰ آبادی کی طبیعت اوائل عمری سے ہی شاعری کی طرف مائل تھی۔ سکول کے دنوں سے ہی وہ شعر کہا کرتے اور چھوٹے چھوٹے بیت بازی کے مقابلوں میں حصہ بھی لیا کرتے تھے۔(۲) جب کچھ اور ہوش سنبھالا تو شاعری کی اصلاح اور اسرار و رموز سیکھنے کا شوق ہوا تو استاد قمر جلالوی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کر لی۔ آپ کی شاعری کی شہرت کو دوام بخشنے کے لیے جہاں آپ کے مخصوص حالات، طبع شاعرانہ اور فنی صلاحیتوں کا گہرا عمل دخل تھا، وہیں استاد قمر جلالوی کی سرپرستی اور فکری و فنی تربیت نے آپ کی شاعری کو چار چاند لگا دیے۔ آپ کے فن میں روانی، سلاست اور تاثیر کو گہرا کرنے کے سلسلے میں استاد قمر جلالوی کی شب و روز محنت نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی شاگردی میں آنے کے بعد پرنم الہٰ آبادی کے شعری رویے میں برجستگی، بے ساختگی، بے باکی اور والہانہ پن در آیا اور آپ کا کلام لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا۔ پرنم الہٰ آبادی اس سلسلے میں خود رقم طراز ہیں:

> ”استاد قمر اپنے شاعرانہ کمالات سے مشاعرہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ مجھے استاد قمر کا اندازِ شاعری بے حد پسند آیا اور ۱۹۵۶ء میں استاد قمر کا باقاعدہ شاگرد ہو گیا۔ شاعری تو میں بچپن سے کیا کرتا تھا۔ مگر استاد قمر کی اصلاح سے میری شاعری کو چار چاند لگ گئے۔ میں نے خصوصیت سے استاد کے رنگ میں شعر کہنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں بقول استاد بھائیوں کے میں بڑی حد تک کامیاب رہا ہوں“.(۳)

پرنم الہٰ آبادی جہاں ایک طرف غزل کی کلاسیکی روایت سے فطری میلان رکھتے تھے، وہیں ان کے دل میں موجزن عشقِ حقیقی اور عشقِ رسول ﷺ کے جذبات انھیں صوفیانہ نظریات اور روایت سے جوڑے ہوئے تھے۔ یہی عشق و مستی کی پر کیف فضا ان کے نعتیہ کلام اور منقبت کا خاصا ہے، اسی سوز و مستی اور تاثیر کے سبب ان کے کلام کو خاص و عام میں پذیرائی ملی اور ان کا کلام قوالی کی شکل میں بڑے پیمانے پر سراہا گیا۔

ویزیٹنگ فیکلٹی، شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قوالی کی روایت میں اگرچہ امیر خسرو کا نام تاریخی اہمیت کا حامل ہے، جو شہرت اور مرتبہ انھیں حاصل ہوا، وہ آج بھی تاریخ میں زندہ ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ نے فنِ قوالی کی روایات کو مضبوط ترین بنیادوں پر استوار کیا ہے.

آپ نے اس فن کو لوگوں کے لیے نہ صرف بنایا بلکہ قابل قبول کیا اور عوام الناس کو اس کا گرویدہ بھی کر لیا۔ یوں قوالی، قول اور ممائز سے ہوتی ہوئی، خانقاہوں تک وسعت اختیار کر گئی۔ پرُنم الہٰ آبادی کی فنِ شاعری سے وابستگی اور فنِ قوالی سے جنون کی حد تک محبت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، آپ نے جو قوالیاں لکھیں ان میں عشقِ حقیقی اور عشق مجازی کے ہر دو پہلوئوں کو نمایاں جگہ ملی اور صوفیاء اکرام کی اعلیٰ تعلیمات اور کلام سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اگر دیکھا جائے تو پرُنم الہٰ آبادی نے اپنی شاعری اور فنِ قوالی کے ذریعے سے پوری روایت کو یکجا کر کے اس فن کو ایک نئی شکل دی، جو قدیم و جدید کا ایک حسین سنگم دکھائی دیتی ہے۔ اپنے انھی اوصاف کی بناء پر آپ کی شاعری دوسرے شعرا سے مختلف دکھائی دیتی ہے۔ پرُنم الہٰ آبادی قوال حضرات کے مقبول ترین شاعر تھے اور اس دور میں ان کی لکھی ہوئی نعتیں اکثر و بیشتر قوال حضرات نے ریکارڈ کروائی ہیں۔ اکثر محافلِ سماع، عرائس اور دیگر تقریبات پر ان کا کلام سنایا جاتا ہے۔ مشہور زمانہ قوالی " بھر دو جھولی میری یا محمد ﷺ" پرُنم الہٰ آبادی کی شہرت کا سبب بنی۔ پرُنم الہٰ آبادی کی مقبول ترین چند نعتیں اور مناقب مثال کے طور پر درج ذیل ہیں:

صابری برادران کی پیش کی ہوئی نعتیں اور قوالیاں "بھر دو جھولی میری یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم"، " آیوری مورے انگنا محی الدین"، "سلطانِ حرم ہو جائے کرم" اور یہ قوالی "او شرابی چھوڑ دے پینا، پینا وینا چھوڑ"، استاد غلام فرید صابری اور مقبول صابری نے ایک محفل میں یہ قوالی اس جوش و جذبہ سے پیش کی کہ لندن میں کچھ حضرات نے صابری برادران سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی شراب نہیں پئیں گے۔ عزیز میاں قوال نے "جلوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن میرا سینہ ہے" اور "ہونٹوں پر مرتے وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو"، بہاؤالدین قوال نے " ہو کرم شاہِ مدینہ بڑی شان ہے تمہاری" اور منقبت " میرے مولا علی حیدر" پڑھی، بھارت کے صفِ اول کے مقبول ترین قوال عزیز نازاں نے " دولت دنیا نہ عقبیٰ کا خزینہ چاہیے، ایک رحمت کی نظر شاہِ مدینہ چاہیے" گائی۔ اس طرح ماضی کے مقبول اداکار اور دورِ حاضر کے مشہور قوال چھوٹے صالح محمد نے "کتنا خدا کو میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار ہے" اور منقبت "مجھ کو داتا تیرے کوچے کی فضا بھائی ہے" گائی۔ کراچی کے دولہے خاں قوال نے " دیکھنا ہے تو شہر مدینہ دیکھو" ریکارڈ کروائی۔ نصرت فتح علی خاں نے بھی آپ کا بے شمار کلام گایا۔ "تمہیں دل لگی بھول جانے پڑے گی" اور "دولہے کا سہرا سہانا لگتا ہے" کہ علاوہ بہت سارے مشہور و معروف گانے اور قوالیاں استاد نصرت کے لیے بھی وجہ شہرت ثابت ہوئیں۔ پرُنم عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیاء کرام کے پروانوں کے مزاج شناس تھے اور اِن کے دلوں میں اُن کا کلام اتر جاتا۔ اس میں شاید ان کی عقیدت اور عشق کا ہاتھ بہت بڑا تھا، یہی تاثیر تھی کہ لوگ ان کا کلام سنتے اور وجد کی حالت میں آجاتے۔ زبانوں پر سبحان اللہ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ یوں عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری ہے اور ان کے کلام میں موجود ان کی عقیدت اور عشق کی آمیزش سامعین کو فیض پہنچا رہی ہے۔

پرُنم الہٰ آبادی ایک درویش صفت انسان تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ کو مادی حرص و ہوس، نام و نمود اور بے جا شاہ و حشمت کا شوق نہیں تھا۔ نہایت سادگی اور پاکیزگی سے زندگی گزارنا ان کا معمول تھا اور ہر آنے جانے والے کی آؤ بھگت کرنا ان کا شیوہ تھا۔ درویش ہونے کے ناطے سے آپ کسی طرح کا مال و دولت گرہ میں نہ رکھتے تھے۔ آپ فقط معمول کی ضرورت کے تابع زندگی گزارتے اور خلق خدا کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ دنیاداری آپ میں نام کو بھی نہ تھی۔ دنیاداروں کی مشکلات کو آسانی میں بدلنا، آپ کا مشغلہ تھا اور آپ اسے بہت اہم فریضہ تصور کرتے تھے۔ اس امر کا ثبوت یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے سلسلہ طریقت سے سچی وفاداری اور لگن رکھتے تھے۔ اپنی پیرانہ سالی کے زمانے ہی میں مرشد کامل کے حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے دینی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں داتا صاحبؒ کے قدموں میں تشریف لے آئے۔ اور یہیں ڈیرے ڈال لیے ایک مضمون میں اقبال پیام لکھتے ہیں:

"استاد پرُنم الہٰ آبادی اپنے پیر و مرشد جنرل سخی پیر سائیں علی محمد سرکارؒ کے حکم پر حضرت داتا علی ہجویریؒ کی نگری میں دینی ذمہ داریاں انجام دینے کیلئے آئے".(۴)

یہاں لاہور آنے کے بعد شیخ معراج دین مرحوم نے اپنی دکان کے ساتھ چند فٹ کا کمرہ ان کو پیش کر دیا اور انہوں نے کچھ سال وہیں حجرہ درویشانہ میں بسر کیے۔ پرُنم الہٰ آبادی کی فطرت میں قناعت پسندی کا وصف بہت غالب تھا۔ ہر حال میں شکر و صبر کرتے رہتے۔ یہاں اس قناعت پسند درویش کے حجرے میں امیر مینائی، محسن کاکوروی کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؒ مولانا جامیؒ اور دیگر نعت گو شعرا کی کتابیں اور نعتیہ رسالے ہی نظر آتے۔ وہ ہر وقت نعتیہ کلام پڑھنے اور لکھنے میں ہی مصروف رہتے۔ سیرت کے پہلوؤں پر لکھی ہوئی کتابیں بہت شوق سے پڑھتے۔ دو سال اس حجرہ درویشانہ اور گوشہ تنہائی میں مقیم رہنے کے بعد ان کا ایک دوست چیپ میڈیکل سٹور کا مالک انھیں انارکلی لے آیا اور بقایا زندگی وہیں پر بسر کی۔ ترک دنیا کو اگر پرُنم الہٰ آبادی کی طرزِ حیات کے آئینے میں دیکھا جائے تو اس کی ایک نئی تفہیم سامنے آتی ہے۔ عموماً ترک دنیا سے متعلق جو تصور عام ہے اس کے مطابق انسان دنیا کی ہر چیز سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیتا ہے، وہ ایک

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہی دائرے اور ایک ہی دھن میں خود کو محصور کر لیتا ہے اور بعض سلسلوں میں یہ تصور بھی پا چکا ہے۔ اگر حقیقت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو یہ نقطہ نظر بہت سطحی اور محدود ہے۔ اصل میں ترک دنیا سے مراد دنیاوی حرص وہوس سے اپنے آپ کو بے نیاز کر لینا اور ہر طرح کی دنیاوی آلودگی سے اپنا دامن بچائے رکھنا ہے۔ بے جا نمود و نمائش اور مال و دولت کو جمع کرنا اور اپنے اندر احساس ملکیت کی بالادستی کو نمایاں کر کے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کو بدترین عیب خیال کرنا ہے۔ اس کے برعکس اپنے اندر عاجزی اور انکساری، بے وقعتی اور بے حیثیتی کی خصوصیات پیدا کرنا اہم ہے۔ خود کو صفر منزل پر لے جا کر منہا کر کے عظیم تر ذات سے لو لگانا ہے. کہا جاتا ہے کہ یہ وہ منزل ہے جہاں دنیا کی ہر مثبت قدر سے رابطہ بھی رہتا ہے مگر اس کی خواہش اور ہوس ختم ہو جاتی ہے۔ زندگی سے ترکِ تعلقات نہیں ہوتے، ترک معمولات ہوتے ہیں کہ ایک بندہ درویش کا معمول دنیا دار شخص سے مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا معمولات کا مختلف ہونا ترکِ دنیا نہیں ہے، ایک منتخب راہِ عمل ہے، جسے مخصوص مقصد کے لیے صوفی اختیار کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد قطعاً نہیں کہ وہ دوسرے بندگانِ خدا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس حوالے سے پرُنم الہٰ آبادی کی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہجوم میں بھی رہے، مگر ہجوم سے مختلف ہو کر۔ عامل اور معمول کی منزل دوسرے لوگوں سے مختلف ہو کر سامنے آتی ہے۔ کہیں وہ نعت گو کے طور پر سامنے آتا ہے اور کبھی منقبت نگار کے اور کبھی عشق و محبت سے سرشار روحانی شاعر کے طور پر جو عشق مجازی سے ہوتا ہوا عشقِ حقیقی کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ اپنے سرکار کے آستانے پر پہنچتا ہے تو ایک درویش کامل اور خدمت گار کے رُوپ میں ڈھل جاتا ہے۔ ڈاکٹر اختر شمار رقم طراز ہیں:

"ان سے میری دوسری ملاقات ہری پور (سرائے صالح) میں حضرت امام بادشاہ کے سالانہ عرس کے موقع پر ہوئی۔ ہجوم میں ایک قدرے شناسا چہرہ ہاتھ میں بالٹی اٹھائے دربار کے منکے بھرنے میں مصروف تھا۔ بعد میں وہی شخص جھاڑو دیتا دکھائی دیا۔ اس کا لباس ملیشیا کا، شیو بڑھی ہوئی اور بال کاندھوں تک تھے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا یہ تو پرُنم صاحب ہیں۔ انھیں اس حلیے میں دیکھ کر قدرے حیرت بھی ہوئی۔ کہاں کراچی کا ایک "نازک ملوک" سا شاعر اور کہاں درباری ملنگی۔۔ کچھ دیر تو آنکھوں کو یقین ہی نہیں آیا مگر وہ بہ نفسِ نفیس میرے سامنے تھے۔ مجھے ان کی بات یاد آگئی۔ "ابھی تو ایک اور امتحان سر پر ہے"۔ کچھ دیر میں جب وہ ان کاموں سے فارغ ہو کر سب سے الگ ایک چٹائی پر بیٹھ گئے تو میں ان کے قریب چلا گیا۔ میں نے سلام کیا، انھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولے "اچھا تو آپ بھی آئے ہوئے ہیں، کیسے ہیں؟ میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں۔ جواب میں مسکرائے، آہستہ سے بولے "وہ کیا شعر ہے کسی کا:

میرا احوال پوچھنے والے
میری صورت نظر نہیں آتی"(۵)

پرُنم الہٰ آبادی کے ہاں عجز و انکساری، فنافی ذات اور انجذاب کی یہ منزل ان کے فن پر بہت اثر انداز ہوئی۔ لہٰذا انھوں نے جو کلام بھی لکھا اس کو اس کیفیت میں اتر کر دیکھا۔ جو ترک دنیا میں جا کر اہل دنیا کے دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ یعنی صاحب کلام دنیا سے ماورٰی ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے، پوری دنیا اس کلام سے بندھی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ منزل اور مقام و مرتبہ کسی روحانی منطقے میں داخل ہوئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کہ شاعر اپنے ظاہر میں دنیا میں الگ ہے اور اپنے باطن کی گہرائیوں سے ایسا کلام کہہ رہا ہے جو باہر کی ساری دنیا کو وجد کی کیفیت سے دوچار کرتا ہے۔ چنانچہ پرنم الہٰ آبادی کی ترک دنیا کی فلاسفی کو بہت مختلف پیرائے میں دیکھنا اور سمجھنا پڑھے گا کہ وہ کسی مروج طرزِ حیات کے شخص ہوتے ہوئے بھی کسی اور معمول کے عامل ہیں۔ جسے سمجھنا ہر فرد کے بس کی بات نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

خوش ہوں گھر بار محمد ﷺ یہ نچھاور کر کے
صدقہ سرکار مدینہ ﷺ کا اتارا میں نے

آپ کے آخری چند سال بیماری میں گزرے۔ زیادہ بیمار نہ تھے مگر کہا کرتے تھے کہ اک پردہ ہے جو بس اٹھنے والا ہے۔ آخر کار وہ دن بھی آن پہنچا کہ جس کا عاشق کو بہت بے صبری سے انتظار ہوا کرتا ہے اور ۶۹ سال کی عمر میں ۲۹ جون ۲۰۰۹ء کو بروز سوموار (۵ رجب) کو پرُنم الہٰ آبادی کا انتظار ختم ہوا اور وہ اپنے معشوق حقیقی سے جا ملے۔ یقیناً ان کے انتظار اور عشق کا پھل اظہار سے بالاتر ہے کیونکہ جو ان کا مقصد تھا وہ پورا ہوا اور پرُنم الہٰ آبادی اپنی عقیدتوں کے پھول اس پر اور اس کے حبیب ﷺ پر نچھاور کرتے کرتے سوئے منزل سدھار گئے۔

یوں نام زمانے میں کر جائیں تو اچھا ہو
ہم عشقِ محمد ﷺ میں مر جائیں تو اچھا ہو

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پرنم الہٰ آبادی نے تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، وہ ایک پر گو، ہمہ وقت اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ جنھوں نے اپنے مخصوص اسلوب اور طرزِ بیاں کی بدولت بہت شہرت حاصل کی۔ ان کے پانچ شعری مجموعے "پھول دیکھے نہ گئے"، "عشقِ محمد ﷺ"، "عشقِ اولیاء اکرام"، "بے وفا سے بھی پیار ہوتا ہے" اور "بھر دو جھولی مری یا محمد" کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جن شعراء اکرام کا کلام گائیکی اور موسیقی کے توسط سے سامنے آئے تو اس میں حسن کمال شاعری کا کم اور گلوکار کا زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن پرُنم الہٰ آبادی کے سلسلے میں یہ بات بڑی ذمہ داری سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کے کلام میں ایک عمدہ غزل کے وہ تمام اوصاف موجود ہیں جن کی بنا پر کوئی بھی شاعر، بڑا شاعر قرار پاتا ہے۔ پرُنم الہٰ آبادی کی غزل میں تمام تر زندگی اور معاملات زندگی سے متعلق موضوعات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری مختلف جہتوں، زندگی کی تمام تر رعنائیوں اور رنگیوں سے وضع ہے۔ ان کے ہاں عشق و محبت کے موضوعات بھی ہیں اور ہجر و وصال کی کسک اور ملال بھی موجود ہے۔ حسن بے پرواہ کی نازک خیالیاں بھی ہیں اور محبوب کی بے وفائیوں اور بے اعتنائیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں حزن و ملال، مسرت و انبساط، آلامِ زمانہ، آشوب عہد اور عصری مسائل کا شعور بھی موجزن ہے، جبکہ زندگی کی رومانیت سے لبریز خواہشات اور جذبات و احساسات کی دنیا بھی ان کی شاعری میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی اور غزل کو اظہار کے روایتی ڈھانچے سے نکال کے ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا جسے نئے عہد کی جدید غزل کا نقطۂ آغاز بھی کہا جاسکتا ہے۔

؎ بے وفا سے بھی پیار ہوتا ہے
یار کچھ بھی ہو یار ہوتا ہے(۶)

؎ اچھے دن آئے تو میں نے یہ تماشا دیکھا
میرے دشمن بھی گلے مجھ کو لگانے آئے(۷)

؎ تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی محبت کی راہوں میں آکر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے کبھی دل کسی سے لگا کر تو دیکھو(۸)

؎ نشاں رہے نہ رہے یادگار ہو کہ نہ ہو
ہمیں نہیں تو ہمیں کیا مزار ہو کہ نہ ہو(۹)

یہ وہ اشعار ہیں کہ جو پرُنم الہٰ آبادی کے مخصوص لب و لہجے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ رومانویت اردو غزل کا محبوب موضوع رہا ہے، یہ وہ طرزِ احساس ہے جس میں جذبے، خیال اور تخیل کو فوقیت دی جاتی ہے اور دیگر تمام مادی و معاشی طرزِ زیست کی نفی کی جاتی ہے. یوں شاعر کے نزدیک ایک ہی فرد کا تصور اور اس کے ہی قرب کی خواہش اور ملاپ کی تمنا اس کے جذبات و احساسات میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور یہ جذبہ اپنی انتہائی شکل میں جنون بن کر وجد و مستی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

پرُنم الہٰ آبادی بھی ایسے ہی شاعر ہیں جنھوں نے عشقیہ مضامین کو عشقِ مجازی کے جلو میں عشقِ حقیقی نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ان کے کلام کا بہت نمایاں و قوی اور توانا وصف ہے۔ جس نے ان کی غزل کو ایک منفرد مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ عشقِ مجازی میں سانس لینے والے عشقِ حقیقی کی منزل کو جا لیتے ہیں اور پرُنم الہٰ آبادی اس کو اتنا آسان کر دیتے ہیں کہ محبت کرنے والوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

؎ آپ معشوق کیا ہو گئے
عاشقوں کے خدا ہو گئے
جن کے دل میں وہ صورت رہی
ان کے دل آئینہ ہو گئے(۱۰)

؎ زندگی موت سے کچھ کم نہ تھی اے جانِ حیات
تیرے اقرار سے پہلے، تیرے انکار کے بعد(۱۱)

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دردِ دل کی دوا ہو گئی
موت مشکل کشا ہو گئی
جب سے بدلی تمہاری نظر
زندگی کربلا ہو گئی(۱۲)

پُرنم الہٰ آبادی کے ہاں ایسے اشعار جابجا ملتے ہیں جو سہلِ ممتنع میں بڑی بات کہنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ طرزِ اظہار شاعری میں بظاہر بہت آسان نظر آتا ہے لیکن تخلیق کے بعد روپ میں ڈھلتے ہوئے مشکل ترین کام دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ فنکارانہ چابک دستی اور کاوش ہے جس میں شاعر کا لکھا ہوا بالکل بے معنی اور بے اثر بھی ہو سکتا ہے اور یہی کاوش ایک بڑی شاعری کو بھی جنم دے سکتی ہے۔

پُرنم الہٰ آبادی نے اردو کی رومانوی روایت سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور متذکرہ اشعار سے حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انھوں نے کلاسیکی روایت سے اپنا ہر رشتہ استوار رکھا ہے۔ علاوہ ازیں غزل میں پیکر تراشی، معاملہ بندی، علامت نگاری، تشبیہات و استعارات کے سلسلے میں بھی پُرنم الہٰ آبادی نے وہی سلیقہ اور اہتمام روا رکھا ہے جو ہماری شعری روایت کا خاصہ رہا ہے۔ ظفر خان بھوپالی کو دیئے گئے انٹرویو کے دوران وہ کہتے ہیں کہ:

" شاعری میں جدت، نئے مضامین کی تلاش پر مبنی ہے یہ کسی شاعر کا وہ انفرادی رویہ ہے جو اس کی شناخت بنتا ہے اور یہ شناخت روایات سے اپنے رشتے کو مستحکم نہ رکھے تو پھر ایسی انفرادیت اور جدت سطحی نوعیت کی ہوتی ہے اور ادبی حوالے سے کوئی تاثر نہیں رکھتی".(۱۳)

پرنم کے یہاں شاعری میں جدت روایت کی توسیع کا نام ہے۔ جس میں روایت سے انحراف کا عنصر تو مفقود ہو مگر وہ اپنے موضوع، انداز اور اسلوب میں منفرد اور جدید قالب میں ڈھلی ہو۔ ان کا کلام ان کے اس نظریۂ شاعری کی بھرپور غمازی کرتا ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پاس دلبر نہیں تو کچھ بھی نہیں
یوں مقدر نہیں تو کچھ بھی نہیں(۱۴)

غضب ہے ایک ذرا سی بات پر ہم سے خفا ہو کر
نگاہیں پھیر کر تم جا رہے ہو دلربا ہو کر
رخسار رنگیں کی ہے خوشبو آج گلشن میں
ضرور ان کی گلی سے ہو آئی ہے بادِ صبا ہو کر(۱۵)

یوں نہ پھر مل کے بچھڑنے کی گھڑی ہو جیسے
جان کچھ دیر تو آنکھوں میں اڑی ہو جیسے(۱۶)

پرنم الہٰ آبادی کی شاعری کا ایک اور اہم موضوع محبت ہے۔ اپنی ہیئت اور معنونیت میں یہ موضوع تمام شعرا کے ہاں مرکزی حیثیت کا حامل رہا ہے. لیکن پُرنم الہٰ آبادی نے محبت کو جس طرح دیکھا اور محسوس کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سہلِ رواں میں اس کی گہرائیوں تک اتر گئے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ذات، شاعری اور محبت ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے ہیں. اس سے فیصلہ کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ ان کے ہاں محبت کہاں تک اپنی وسعتوں سمیت اجاگر ہوتی ہے اور ان کی ذات محبت سے الگ رہ کر کیا معنی رکھتی ہے. ان کا ایک ایک لفظ محبت کے دم سے سانس لیتا نظر آتا ہے اور یوں ان کی شاعری ایک مجسم فرد کی صورت مؤثر کردار اور جادوئی اثر کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ لہذا ان کے ہاں محبت ایک تجربہ نہیں رہ جاتا بلکہ محبت خود ایک زندگی کے قالب میں ڈھل جاتی ہے اور گوشت پوست کا یہ انسان شاعری میں بے چین ہر لمحہ متحرک دکھائی دیتا ہے۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہ لمحہ جس میں تحرک بھی ہے اور طاقت بھی، یہ شاعر کے لیے اضطراب اور جان کنی کا موجب بنتا ہے اور اپنے آخری نتیجے میں ایسی مسرت وراحت سے ہمکنار کرتا ہے کہ جیسے دنیا بھر کی تمام نعمتیں، خوشیاں اور ان سے وابستہ محبتیں اس کے قدموں میں ڈھیر ہوں گئی ہیں کہ اسے اب شاید دنیا کی ہر چیز میسر آگئی ہے. ایک سطح یہ بھی آتی ہے جب شاعر ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ وہ عشق و جنوں کی اک ایسی منزل پہ جا پہنچتا ہے جہاں من وتُو کے فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام اتصال ہے جہاں عشق مجازی اور عشق حقیقی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اس موضوع پر ان کے یہ دو اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں:

میرے درد کی تجھے کیا خبر ہے جسے خبر کوئی اور ہے
تو علاج رہنے دے چارہ گر، میرا چارہ گر کوئی اور ہے

وہ جو آئینے کے ہے روبرو، وہی، آئینے میں ہے ہو بہو
یہ نہ سوچ، یہ نہ خیال کر، اِدھر اُدھر کوئی اور ہے(۱۷)

پُرنم الہٰ آبادی کے ہاں یہ اندازِ فکر ان کی شاعری میں ایک غالب رویے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ امر بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کہ شاعری کا عام آدمی کے لیے ایک عوامی آہنگ اور معاشرے کے دوسرے طبقات کے لوگوں کے جذبات کا ترجمان نقطہ ء نظر بھی ان کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس اندازِ فکر کے زیرِ اثر ان کی شاعری میں محبت اور زندگی کے عام فہم جذبات، چھوٹے چھوٹے کومل جذبے اور نت نئی بنتی بگڑتی خواہشات بھی ان کے کلام کی خوبصورتی اور چاشنی میں اضافہ کرتی ہیں۔ یہ امر اس لیے بھی ضروری قرار پاتا ہے کہ سیدھے سادھے معصوم جذبات رکھنے والے قارئین بھی اپنے آپ کو اُن کی شاعری میں موجود پائیں تاکہ ان کی شاعری میں ہمہ رنگی اور ہمہ گیریت پہلو بہ پہلو دکھائی دیں۔ ان کی شاعری میں موجود یہ دونوں انتہائی سطحیں بھی ہماری کلاسیکی روایت کا حصہ رہی ہیں کہ معاشرے کے تمام طبقات، حیات آفرین شاعری سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز ہو سکیں۔

- دل کو آخر درد کے آزار تک پہنچا دیا
  پھول کی حسرت نے مجھ کو خار تک پہنچا دیا(۱۸)
- بے تابیٔ پیہم دلِ دیوانہ رہے گی
  ہے عشق تو یہ حالت روزانہ رہے گی(۱۹)
- تیرے جانے کا وہ منظر دلربا اچھا لگا
  راہ میں مڑ مڑ کر تیرا دیکھنا اچھا لگا(۲۰)
- اگر کسی زمانے میں پیار میں نے کیا
  قصور کونسا پروردگار میں نے کیا(۲۱)
- چہرے پہ زرا زلف کو بکھراؤ کسی دن
  منظر سحر و شام کا دکھلاؤ کسی دن(۲۲)

اردو کی صوفیانہ شاعری نے ادب کو نئے زاویوں سے دیکھنے اور پرکھنے کا اہتمام کیا۔ ہمارے صوفیاء نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں محبت، بھائی چارہ، انسان دوستی، امن اور رواداری کا درس دیا ہے۔ اسی روایت کو تمام شاعروں نے اپنے اپنے حسنِ ذوق اور حسنِ طلب کے حوالے سے اپنی شاعری موضوع بنایا۔ ان میں بعض شعرا تو ایسے ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو خانقاہی نظاموں سے منسلک کر کے رشد وہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ انھوں نے لوگوں کے تاریک دلوں کو نور کی ہدایت سے روشن تر کرنے کی عظیم کوششیں کی ہیں۔ ان میں پیر ملت پیر نصیر الدین نصیرؒ کا نام گرامی بہت اہمیت کا حامل ہے. آپ نے خانقاہی نظام سے وابستہ فیوض وبرکات کے حوالے سے نیکی، تقویٰ، پرہیز گاری، خدمتِ خلق اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کے لیے محبت کا پیغام دیا ہے. ان کے علاوہ ہماری کلاسیکی روایت میں، امیر خسرو اور خواجہ میر درد کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے اجتماعی طور پر انسانوں اور انسانیت کی فلاح کیلئے منشورِ حیات دیا ہے۔ پُرنم الہٰ آبادی کی شاعری کے مطالعے کے دوران اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اپنی شاعری کا رشتہ اس صوفیانہ روایت سے استوار کیا ہے۔

بھر دو جھولی مری یا محمد ﷺ لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کچھ نواسوں کا صدقہ عطا ہو در پہ آیا ہوں بن کے سوالی(۲۳)

ے پیشِ نگاہ جس گھڑی کوچۂ یار آ گیا
کعبہ عشق دیکھ کر دل کو قرار آ گیا(۲۴)

ے خدا کے لیے، چھوڑ دو اب یہ پردہ کہ ہیں آج ہم تم نہیں غیر کوئی
شبِ وصل بھی ہے حجاب اس قدر کیوں ذرا رُخ سے آنچل ہٹا کر تو دیکھو(۲۵)

پرنم الہٰ آبادی کی شاعری کے موضوعات پر بحث کرتے ہوئے شاید یہ تاثر بھی ابھر کر سامنے آسکتا ہے کہ انھوں نے زندگی کے سماجی پہلوؤں سے اپنا سروکار نہیں رکھا اور معاشرے میں موجود صورتحال اور اس سے وابستہ تلخ حقیقتوں کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی۔ یہ بات جزوی طور پر تو درست مانی جاسکتی ہے۔ لیکن بھرپور تحقیقی اور تنقیدی تجزیے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جن رجحانات کو شاعری میں جگہ دی ہے ان کا تعلق کسی نہ کسی طور پر بالواسطہ ہماری سماجی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ مثلاً انسانی دل میں محبت کے جذبات کا پیدا ہونا، زندگی کے رنج و مصائب میں اشک بار ہونا اور کسی غیر مرئی سہارے کی آس میں مطمئن ہو جانا دنیا کی کج آرائیوں اور دوستوں کی بے اعتنائیوں سے تنگ آکر اللہ سے لو لگانا یا کسی ان دیکھے غیبی مددگار کا منتظر ہونا، قریبی عزیزوں، رشتے داروں اور دوستوں سے مسلسل دھوکے کھانا اور اس کے نتیجے میں خدا سے، مرشد کامل سے، غیبی طاقت سے مدد کا طلب کرنا، یہ تمام پہلو زندگی کے تلخ حقائق سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور پرُنم، الہٰ آبادی اس امر کا گہرا شعور اور ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں سے چند ایک مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں:

ے چاہے جس طرح گزرے یہ ماننا ہو گا
زندگی بہر صورت زندگی تو ہوتی ہے(۲۶)

ے آدمی نما بھی ہے ظالموں کی اک دنیا
آدمی کی صورت میں آدمی تو ہوتی ہے(۲۷)

ے نہ گھٹا سکے اَلم کو، جو بڑھا دے اور غم کو
نہ اب ایسی غم گساری، میرے غم گسار کرنا(۲۸)

ے دل و جاں سے مٹنے والو! میرا مشورہ ہے تم کو
ذرا سوچ کر کسی پر دل و جاں نثار کرنا(۲۹)

خزاں رسید گلوں میں بھرا ہے رنگ بہار
خزاں کا رنگ، برنگِ بہار میں نے کیا
بلند عظمتِ سر کیوں نہ ہو سرِ مقتل
سر اپنا حق کے لیے زیبِ دار میں نے کیا(۳۰)

ے ہمارے آنسوؤں کو کوئی کیا سمجھے گا اے پُرنم
یہ وہ موتی ہیں جو ہر اک سے پہچانے نہیں جاتے(۳۱)

پُرنم الہٰ آبادی کی شاعری میں موسیقیت کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ آپ کی شاعری کو ملک کے نامور گلوکاروں اور فنکاروں نے گا کر شہرتِ دوام حاصل کی۔ جن میں مُنی بیگم، غلام فرید، صابری برادران اور نصرت فتح علی خاں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ گلوکار ہیں جن کی بدولت پُرنم الہٰ آبادی اور ان گلوکاروں کو یکساں شہرت نصیب ہوئی. ان باتوں کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے کلام کا بیشتر حصہ موسیقی کی دھنوں کے مطابق تخلیق کیا گیا ہے، یہ خاصا مشکل کام ہے جسے پرُنم الہٰ آبادی نے نہایت فنکاری سے نبھایا اگر آپ کی شاعری کا

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قریب سے جائزہ لیا جائے تو اس سے ایک بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ ایک درویش منش انسان تھے اور انھوں نے شاعری کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اپنی تنہا زندگی میں ایک شعری جہاں آباد رکھا جس میں انھیں گہرا سکوں حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے تمام عمر اس مخصوص خول سے نکلنے کی کوشش نہیں کی، لیکن ان کی ذات کی اکائی سماج سے جڑی ہوئی تھی. لہٰذا اس طرح کے شاعر جو بظاہر بہت بے ترتیب، بہت غمزدہ اور بہت اکیلے ہوتے ہیں ان کا باطنی ڈسپلن بہت مضبوط ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کا کلام سن کر سر دھنتے ہیں اور سرور و مستی میں ناچنے لگتے ہیں۔ اس طرح کی شاعری معاشرے میں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ ہمارے معاشرے کے لوگوں میں درد مندی، محرومیاں اور رنج و الم کا اک طوفان برپا ہوتا ہے اور لوگ چھوٹے چھوٹے سمجھوتے کر کے اپنی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں پرُنم الہٰ آبادی کی شاعری فرد کو باطنی اطمینان مہیا کرتی ہے. یہ حوصلہ بھی فراہم کرتی ہے کہ زندگی میں ہر حال میں مسکراتے رہنا چاہیے اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان کی شاعری سے دو طرح سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اولاً ان کی شاعری کی دنیا، جس میں تمام لوگ چاہے چند لمحوں کے لئے ہی سہی اپنی مشکلات کو بھول بھال کر ایک ایسے خطے میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں روشنیوں اور رنگ و نور کا ایک نگر آباد ہے۔ وہاں پر ہر شخص کیف و مستی میں محبت اور خوشی سے شادیانے بجا رہا ہے۔ وہ اس دنیا میں سانس لے کر یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک خوش قسمت ترین آدمی ہے جس نے ایک نئی دنیا کا سفر طے کیا ہے۔ ان کی شاعری سے استفادہ کا دوسرا پہلو لوگوں کو بالواسطہ طور پر سماجی شعور اور آگہی کی منزل تک لے جاتا ہے، جہاں ہر انسان کو خود شناسی کی لذت حاصل ہوتی ہے. یہ پرُنم الہٰ آبادی کی شاعری کا مؤثر ترین پہلو ہے جو اسے دوسرے ہم عصر شعراء سے مختلف قرار دیتا ہے۔

ے شرما کے منہ چھانے لگا بادلوں میں چاند
کل شب جو بے نقاب رُخِ یار ہو گیا(۳۲)

ے پس نقاب بتاتا ہے جلوۂ بے تاب
کہ جلوہ طالبِ دیدار کی تلاش میں ہے(۳۳)

ے جب میرا یار آیا روبروئے آئینہ
صورتِ آئینہ بھی محبوبِ ثانی ہو گئی(۳۴)

ے دونوں عالم سے وہ بے گانہ نظر آتا ہے
جو تیرے عشق میں دیوانہ نظر آتا ہے(۳۵)

ے ہے عجب حسن تصور تیرے دیوانے کا
تیرے جیسا تیرا دیوانہ نظر آتا ہے(۳۶)

پرُنم الہٰ آبادی کی شاعری میں محبوب سے قرب کی یہ مختلف صورتیں ہیں جو لذتِ وصال سمیٹے ہوئے ہیں اور کوئی بھی دوسرا ان دونوں کے درمیان موجود نہیں ہے۔ دوئی کا عنصر ناپید ہے۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ عرفِ عام میں وصال کا یہ لمحہ اپنی سادہ شکل میں عشق مجازی دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ باطنی جہت میں عشقِ حقیقی کی غمازی کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں کو شاعری کا حصہ بنانا اور پہلو بہ پہلو ساتھ لے کر چلنا ایک مشکل کام ہے جو مشقِ سخن سے حاصل نہیں ہوتا، یہ شاعر کے لیے ودیعت ہے یا فیضانِ نظر، یا ان دونوں سے ہٹ کر کوئی تیسری طاقت ہے۔ کسی اَن دیکھے جلوے کی، کسی خیال کے پرتو کی یا باطن کی کسی طاقت کی، کہ شاعر یہ مشکل بات بڑی آسانی سے کہہ جاتا ہے۔ اسی بات کا دوسرا پہلو بھی توجہ کا طالب ہے کہ وصال کی اس ساری صورتحال میں کرب کی زیریں سطح ساتھ ساتھ چلتی ہے قرب اور کرب کی کیفیات کا ہم آغوش ہونا بھی پرُنم الہٰ آبادی کی شاعری کا کمال ہے۔ اوجِ کمال کی یہ صورت انسانی فکر کی حدود و قیود سے ماورا کوئی چیز ہے اور ایسی بات ہے کہ بنائے نہ بنے۔ یہاں بھی ہمیں اسی باطنی قوت کی طرف رجوع کرنا ہو گا یا اسی پر تکیہ کرنا ہو گا کہ اس سوال کا جواب کہیں اور سے طلب نہیں کیا جا سکتا۔

پرُنم کی شاعری میں دوسرا پہلو ہجر و فراق کا ہے جسے بالعموم شاعروں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے. ان کی شاعری میں اس پہلو کی کھوج لگاتے ہوئے اس بات پر یقین بحال ہو جاتا ہے کہ شعری ذوق کی آبیاری کرنا اور اسے اپنے فکری نظام کا حصہ بنانا تخلیقِ شعر سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ پرُنم الہٰ آبادی شعر کی اسی تخلیق و تفہیم پر یقین رکھتے ہیں، چنانچہ ان کے

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہاں ہجر و فراق کوئی دائمی حیثیت نہیں رکھتے. کیونکہ وہ عشق کی ایسی منزل پر ہیں، جہاں ان کے شعری ذوق نے ان کے شوقِ نظارہ کی ایسی تربیت کی ہے کہ اِنہیں لمحاتِ ہجر و فراق کا احساس تک نہیں ہوتا۔

جب کبھی ان کو بھولنا چاہا
اور یاد آئے وہ بھلانے سے
کسی صورت کسی بہانے سے
پیار چھپتا نہیں چھپانے سے(۳۷)

کیا ضروری ہے جدا ہو کے وہ خوابوں میں ملیں
یہ بھی ممکن ہے کہ رنگین گلابوں میں ملیں
یوں میری ذات سے منسوب ہیں احوالِ وفا
کہ مضامینِ وفا جیسے کتابوں میں ملیں(۳۸)

پرُنم الہٰ آبادی کا کلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، غزل جیسی صنفِ سخن میں انھوں نے بلند پایہ مضامین لا کر غزل کی قدر و منزلت اور ادبی مرتبے میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ آپ کی ادبی اہمیت اس حوالے سے بھی فزوں تر ہے کہ آپ نے تمام اصنافِ سخن میں یکساں مہارت اور فنی پختگی سے طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنفِ سخن کا پورا حق ادا کیا ہے۔ آپ کی غزل گوئی کا بنیادی وصف جو انھیں ہم عصر شعرا سے الگ لا کھڑا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فکری و فنی محاسن اور تمام تر ادبی لوازمات کو پیشِ نظر رکھ کر اپنا مافی الضمیر بیان کیا، جس میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور احساس کی دھیمی دھیمی لَو بھی جلوہ گر ہے۔ کسی جگہ بھی عامیانہ پن اور بے سمتی کا اظہار نہیں ملتا۔ صوفیانہ مسائل میں آپ نے تبلیغ یا نعرے کے عنصر سے حد درجہ اجتناب کیا ہے. آلامِ زمانہ کے تذکرے میں دردمندی اور سوز و گداز کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ رومان پسندی کے اظہار میں آپ نے باطنی کیفیات، زندگی کی شیرینی اور مٹھاس، حسنِ کردار اور بے باکیٔ گفتار کو پیشِ نظر رکھا ہے کیونکہ اُن کے ہاں رومانویت محض دیوانگی نہیں بلکہ ایک طرزِ حیات ہے۔ سچے اور حقیقی احساس کی روشن قندیل ہے جو انسان کو تاریکی میں راہ دکھاتی ہے۔ آپ نے معاشرتی مسائل کے بیان میں بہت سادہ بیانیہ اور سلاست روانی سے کام لیا ہے اور محسوسات کی بنیاد پر اظہار کی سادگی اور سوچ کی سچائی کو اُجاگر کیا ہے۔ مجموعی طور پر آپ نے شاعری کو شوق یا تفننِ طبع کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اس کے توسط سے ایک مقصدِ حیات کو بڑھاوا دینے کا فریضہ سر انجام دیا ہے. یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے عملِ خیر کے تسلسل کو حمد، نعت، منقبت اور محبت کی غزل سے جاری و ساری رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا انہوں نے شاعری کو ایک مشن کے طور پر استعمال کیا۔ ایک اور بات جو ان کی شاعری میں جابجا محسوس ہوتی ہے کہ آپ طبعاً درویش منش اور دیانتِ فکر کے حامل شاعر ہیں۔ اس لیے آپ کے ہاں غزل میں ندی کا بہاؤ، خنکی اور شادابی کا خوشگوار تاثر محسوس کیا جا سکتا ہے، جبکہ دیگر معاملاتِ زندگی میں بھی نبھاؤ اور سبھاؤ کا تاثر ملتا ہے۔ جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ آپ کی شاعری محبت، امن، بھائی چارے اور انسان دوستی کی ترجمان ہے. آج کے عہد میں اس شاعری کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے کہ موجودہ معاشرہ جس بحران، ہیجان انگیزی اور دہشت گردی کے خوف و ہراس میں سہما ہوا ہے ایسے میں پرُنم الہٰ آبادی کی رومان خیزی اور اعلیٰ ترین انسان دوستی کی ضرورت ہے، بلاشبہ ان کی شاعری اردو ادب میں قیمتی اضافہ ہے۔ اس پر انھیں جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

حوالہ جات

(۱)-پرُنم الہٰ آبادی، انٹرویو، روزنامہ خبریں، ۲ جنوری ۲۰۰۴، ص ۴
(۲)-اقبال پیام، گدائے کوئے رسول، عشقِ محمد، لاہور: خزینہ علم و ادب، س۔ن، ص ۱۳
(۳)-پرُنم الہٰ آبادی، اعزازِ شاگردی، پھول دیکھے نہ گئے، ایبٹ آباد: مدنی پبلیکیشنز، س-ن، ص ۱۳
(۴)-اقبال پیام، گدائے کوئے رسول، عشقِ محمد، لاہور: خزینہ علم و ادب، س۔ن، ص ۱۴
(۵)-اختر شمار، پرُنم الہٰ آبادی-کچھ ادھوری یادیں، ماہانہ تخلیق، جلد ۱۴، شمارہ ۴، لاہور: بھگوان سٹریٹ، پرانی انار کلی لاہور، اپریل ۲۰۱۰ء، ص ۷۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

(۶)-پرُنم الہٰ آبادی، پھول دیکھے نہ گئے، ایبٹ آباد: مدنی پبلیکیشنز، س-ن، ص۹

(۷)-ایضاً، ص۲۳ (۸)-ایضاً، ص۱۱۸ (۹) -ایضاً، ص۱۱۴ (۱۰)-ایضاً، ص۲۵

(۱۱)ا-یضاً، ص۲۰ (۱۲)-ایضاً، ص۳۸

(۱۳)-پرُنم الہٰ آبادی، انٹرویو، تحریر و تحقیق: ابرار اسیر، ظفر بھوپالی، روزنامہ ندائے کراچی، ۱۴ اگست ۲۰۱۲ء، ص۲

(۱۴)-پرُنم الہٰ آبادی، پھول دیکھے نہ گئے، ایبٹ آباد: مدنی پبلیکیشنز، س-ن، ص۳

(۱۵)ایضاً، ص۱۸۱ (۱۶)-ایضاً، ص۱۱۶ (۱۷)-ایضاً، ص۹۸ (۱۸)-ایضاً، ص۱۵۷

(۱۹)-ایضاً، ص۱۴۷ (۲۰)-ایضاً، ص۱۴۳ (۲۱)-ایضاً، ص۱۳۷ (۲۲)-ایضاً، ص۱۴۷

(۲۳)-ایضاً، ص۱۷ (۲۴) -ایضاً، ص۶۹ (۲۵) -ایضاً، ص۱۱۸ (۲۶)ا-یضاً، ص۷۳

(۲۷)-ایضاً، ص۷۴ (۲۸) -ایضاً، ص۸۸ (۲۹)-ایضاً، ص۸۷ (۳۰)-ایضاً، ص۱۳۸

(۳۱) -ایضاً، ص۸۳ (۳۲) -ایضاً، ص۷۹ (۳۳)-ایضاً، ص۸۵ (۳۴)ایضاً، ص۸۷

(۳۵)-ایضاً، ص۱۰۰ (۳۶)-ایضاً، ص۱۰۱ (۳۷)-ایضاً، ص۱۹۶ (۳۸)-ایضاً، ص۲۰۶